

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، از : ڈاکٹر اسرار احمد

درس ۱۸

نبی اکرم ﷺ کا بنیادی طریق کار

یا

انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج

© rasailojaraid.com سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

———— (۱) ————

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سورۃ الجمعہ کے مضامین پر غور و فکر کے ضمن میں بھی ہم وہی طریق کار اختیار کریں گے جو سورۃ الصف کے ذیل میں اختیار کیا گیا تھا کہ پہلے سورت کی مرکزی آیت کو کا حلقہ سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس کے بعد ایک ایک آیت کو غور و فکر کا موضوع بنایا جائے۔ بالخصوص ہر آیت کا جو ربط و تعلق اس مرکزی آیت کے ساتھ بنتا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ کے مضامین کا باہمی ربط

یہ بات اس سے پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ میں جوڑے جوڑے ہونے کی وہ نسبت جو قرآن مجید کی اکثر سورتوں میں موجود ہے، بہت ہی نمایاں ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں بلند پایہ سورتیں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے دو پہلوؤں سے بحث کرتی ہیں۔ چنانچہ سورۃ الصف کا مرکزی مضمون تھا نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت، جبکہ سورۃ الجمعہ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس مقصد بعثت کے حصول اور اس عظیم مشن

کی تکمیل کے لئے آپ کا بنیادی طریق کار کون سا تھا! — یہاں لفظ ”بنیادی“ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے اور اسے سمجھنے کے لئے ہمیں قدرے تفصیل میں جانا ہو گا۔

اگرچہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اگر ہم عام مروجہ معنوں میں نبی اکرم ﷺ کو ایک انقلابی رہنما کہیں تو یہ یقیناً آپ کی توہین کے مترادف ہو گا، لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ داعی انقلاب کا اطلاق نسل انسانی کے کسی فرد پر اگر بہام و کمال ہو سکتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں!! اس لئے کہ تاریخ انسانی کا ہمہ گیر ترین اور گہمیر ترین انقلاب برپا کرنے کا سرا بلاشبہ آپ ہی کے سر ہے۔

تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب

غور کرنے پر معلوم ہو گا کہ تاریخ کے دو بڑے بڑے انقلاب جن کا بہت شہرہ ہے، محض جزوی انقلابات تھے۔ انقلابِ فرانس ہو یا انقلابِ روس، ان دونوں نے زندگی کے رخ میں کوئی ہمہ گیر تبدیلی برپا نہیں کی۔ انقلابِ فرانس میں لوگوں کے افکار اور عقائد نہیں بدلے، ان کا طرزِ معاشرت تبدیل نہیں ہوا، صرف نظامِ حکومت کا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ یعنی شخصی حکومت کا دور ختم ہوا اور جمہوریت کا آغاز ہو گیا۔ اسی طرح انقلابِ روس (Bolshevik Revolution) اگرچہ بہت بڑا انقلاب تھا، بلکہ اگر اسے انقلابوں کی ماں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اس کی کوکھ سے انقلابوں کی ایک پوری کھیپ برآمد ہوئی ہے، بایں ہمہ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کے ذریعے بھی ایک جزوی تبدیلی ہی آسکی، یعنی محض نظامِ معیشت کا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ اور ویسے تو کہا جاسکتا ہے کہ ایک بڑا انقلابی فکر یعنی جدلی مادیت (Dialectical Materialism) اس انقلاب کی پشت پر تھا لیکن بنظرِ غائر دیکھا جائے تو مادیت پہلے سے موجود تھی، اس نے صرف ایک قدم آگے بڑھایا اور جدلی مادیت کی شکل اختیار کر لی، اسے آپ ”مادیت“ سے ”جدلی مادیت“ تک ایک ارتقائی عمل تو کہہ سکتے ہیں، انقلابی عمل نہیں کہہ سکتے۔ گویا کہ وہاں بھی اصل تبدیلی زندگی کے محض ایک گوشے یعنی نظامِ معیشت میں واقع ہوئی کہ کوشش کی گئی کہ ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لے کر حصہ رسانی تمام افراد تک کسی قدر منصفانہ

انداز میں پہنچا دیا جائے۔ اس سے قطع نظر کہ معاشی ڈھانچے میں اس تبدیلی کے ضمن میں انسان کو کیا قیمت ادا کرنی پڑی اور اس کا کیا ردِ عمل سامنے آ رہا ہے، فی الوقت صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ دنیا کے یہ تمام انقلابات جزوی تھے، جبکہ نبی اکرم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب ہمہ گیر تھا۔ اس انقلاب میں لوگوں کے عقائد بدلے، افکار بدلے، نظریات بدلے، زندگی کی قد ریں بدلیں، نقطہ نظر تبدیل ہو گیا، سوچ کا رخ بدل گیا، طرزِ بود و باش بدل گئی، معیشت کا انداز بدل گیا، سیاست کے طور اطوار بدل گئے، یوں کہنے کے زمین بدل گئی، آسمان بدل گیا۔ بلکہ یہاں یہ تلاش کرنا پڑتا ہے کہ کیا چیز نہیں بدلی! — اس پہلو سے کسی دوسرے انقلاب کو انقلابِ محمدیؐ سے کوئی دُور کی نسبت بھی نہیں ہو سکتی! چنانچہ اس پہلو سے بارے کے بر عظیم پاک و ہند کے ایک بہت بڑے انقلابی ایم این رائے نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اپنی مشہور کتاب "Historical Role of Islam" میں اگر یہ کہا کہ محمد ﷺ بہت بڑے انقلابی رہنما تھے تو واقعہ یہ ہے کہ غلط نہیں کہا۔

دوسری طرف یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ دنیا کے تمام اہم انقلابات کا اگر مشاہدہ کیا جائے تو ایک بات قریباً ہر جگہ مشترک نظر آئے گی کہ انقلابی فکر تخلیق کرنے والے یا پیش کرنے والے کچھ اور لوگ تھے اور اس انقلاب کو عملاً برپا کرنے کا معاملہ کچھ اور لوگوں کے ہاتھوں ہوا۔ انقلابِ فرانس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ والیئر، روسو اور ان جیسے نامعلوم کتنے اہلِ قلم تھے جنہوں نے وہ فکر دیا کہ جس کی بنیاد پر اس انقلابی عمل کا آغاز ہوا۔ لیکن یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ انقلابِ فرانس کے عملاً برپا ہونے اور اس کی عملی رہنمائی میں ان مفکرین کو کوئی دخل حاصل نہیں تھا۔ وہ انقلاب عملاً کچھ اور باشِ قسم کے لوگوں کی رہنمائی میں برپا ہوا اور واقعہ یہ ہے کہ وہ بڑا ہی خونی انقلاب تھا۔ اسی طرح کا معاملہ انقلابِ روس (Bolshevik Revolution) کا بھی تھا۔ اس انقلاب کے لئے انقلابی فکر دینے والا کارل مارکس جو جرمنی کا رہنے والا تھا، خود اپنی زندگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب برپا نہیں کر سکا۔ سوچئے، یہاں ایک بالکل ہی دور دراز کے ملک میں

ہوئے فکر و فلسفہ کو دنیا میں ایک انقلاب کی عملی شکل میں ڈھالا۔ معلوم ہوا کہ انقلابی فکر دینے والے بالعموم کچھ اور لوگ ہوتے ہیں اور انقلاب برپا کرنے والے کوئی اور!

اس پس منظر میں دیکھئے تو نبی اکرم ﷺ کا معاملہ منفرد اور ممتاز نظر آتا ہے۔ ایک فرد واحد سے دعوت کا آغاز ہوا اور کل تئیس برس میں یعنی ایک "life span" کے اندر اندر انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔ بلکہ یہ تئیس برس بھی شمسی نہیں قمری ہیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو ہمارے حساب سے وہ بمشکل بائیس برس بنتے ہیں۔ کل بائیس برس میں ایک شخص فرد واحد کی حیثیت سے دعوت کا آغاز کرتا ہے اور پھر وہ دعوتی و انقلابی جد و جہد ان تمام مراحل کو طے کر کے جو کسی بھی انقلاب کو درپیش ہوتے ہیں، نہایت خوش اسلوبی سے پایاں تک پہنچ جاتا ہے۔ اس میں آپ ﷺ کو تسخرو استنزاء کے ابتدائی مرحلے سے گزرنا پڑا، پھر وہ شدید تشدد (persecution) کا دور بھی آیا جس میں اہل ایمان پر وحشیانہ مظالم ڈھائے گئے، پھر وہ مرحلہ بھی آیا کہ وطن کو چھوڑنا پڑا، مکے کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر مدینہ منورہ کا رخ اختیار کرنا پڑا، پھر اقدام کا مرحلہ بھی آیا اور جہاد و قتال کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے تمام مراحل سے گزر کر کل تئیس برس کی مدت میں وہ انقلاب اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ جس کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہ ساری بات گوش گزار کی گئی، یہ نکلا کہ حضور ﷺ کی سیرت مطہرہ میں اس انقلابی عمل کے مختلف مراحل بہت نمایاں ہو گئے۔ بلکہ آپ کے اس انقلابی عمل کا tempo اتنا شدید ہے اور وہ انسان کی توجہ کو اس درجے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ اس انقلابی عمل کی پشت پر کار فرما اساسی طریق کار بالعموم نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اساسی طریق کار یا منہج عمل اپنی جگہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اس انقلابی جد و جہد، اس تصادم اور اس تمام تر جہاد و قتال کے لئے وہ افراد کس طور سے حاصل ہوئے کہ جن میں ہر ایک عزم و ہمت اور استقامت کی چٹان ثابت ہوا۔ ان افراد کے فکر و نظر میں انقلاب کیونکر برپا ہوا اور پھر ان کی تربیت کا معاملہ کس منہج پر ہوا! گویا غور طلب بات یہ ہے کہ اس انقلابی عمل کی تہ میں کار فرما وہ کون سا عمل تھا کہ جس کے

اور اس کی موجوں کا تلاطم انسان کو اس طرح اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ اس کی گہرائی کی طرف توجہ نہیں ہوتی، اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ کا یہ پہلو یعنی انقلابی کشمکش اور اس میں تصادم کے مختلف مراحل کسی بھی سیرت کے سننے یا پڑھنے والے کو اس درجے اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں کہ اس جدوجہد کے پس پشت کار فرما اساسی منہاج اور بنیادی طریق کار نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ساری توجہ اسی ایک پہلو پر مرکوز ہو جاتی ہے۔

انقلاب نبویؐ کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ میں درحقیقت نبی اکرم ﷺ کے اسی اساسی منہاج اور بنیادی طریق کار کو وضع کیا گیا ہے جس سے کہ وہ افراد تیار کئے گئے کہ جو اس انقلابی جدوجہد میں نبی اکرم ﷺ کے دست و بازو بنے اور جن کے اندر کا انقلاب بیرونی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا۔ اس مضمون کی اہمیت کو اکبر الہ آبادی کے ایک شعر کے حوالے سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے، بڑا پیارا شعر ہے۔

خدا کے کام دیکھو، بعد کیا ہے اور کیا پہلے!

نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

کہ اگرچہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ میں غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ احزاب، صلح حدیبیہ اور فتح مکہ بڑے اہم نشاناتِ راہ (land marks) شمار ہوتے ہیں لیکن اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ وہ بنیادی process اور طریق کار کون سا تھا کہ جس سے انقلاب کی داغ بیل پڑی، جس سے افراد کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا، وہ افراد کہ جنہوں نے اپنی سیرت و کردار سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کا نقشہ وہ ہے جو سورۃ الاحزاب میں بایں طور آیا ہے کہ :

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ﴾

”اہل ایمان میں ایسے جو ان مرد موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔“

﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ مَعَبَدَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝﴾

”تو ان میں سے وہ بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (اور گردنیں کٹوا کر بسکدوش ہو چکے) سرخرو ہو چکے) اور باقی ابھی منتظر ہیں (کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی بسکدوش ہو جائیں) اور انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔“
وہ مردان کار کس process سے اور کس طور سے تیار ہوئے تھے، یہ ہے درحقیقت سورۃ الجمعہ کا مرکزی مضمون۔

سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت

سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت (یعنی آیت نمبر ۲) کے بارے میں پہلے یہ عرض کیا جا چکا کہ اس آیت میں اصطلاحات وارد ہوئی ہیں، ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں چار مقامات پر ان کا اعادہ کیا گیا ہے اور یہ ایک نہایت غیر معمولی بات ہے۔ سب سے پہلے سورۃ البقرۃ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعائیں وہ الفاظ آئے، پھر چند رکوعوں کے بعد اللہ کی طرف سے اس دعا کی قبولیت کے اعلان کے ذکر میں انہی الفاظ کا اعادہ ہوا، پھر سورۃ آل عمران میں اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے بیان میں کہ اللہ نے تم میں اپنا ایک رسول بھیج دیا ہے پھر انہی چار اصطلاحات کو دہرایا گیا اور پھر آخری مرتبہ یہ چاروں اصطلاحات یہاں سورۃ الجمعہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اور یہاں تو یہ الفاظ یا یہ اصطلاحات گویا کہ اس پوری سورت کے لئے بمنزلہ عمود ہیں، یا یوں کہہ لیجئے کہ انہیں اس سورت کے مرکزی مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے آئیے کہ اس سورۃ مبارکہ پر اور بالخصوص اس کی آیت نمبر ۲ پر نگاہوں کو پورے طور پر مرکوز کر دیا جائے۔

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝﴾

دیکھئے! جس طرح سورۃ الصف کی مرکزی آیت کا آغاز ہوا تھا ”هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ“

کے الفاظ سے اسی طرح سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت کا آغاز ہو رہا ہے ﴿هُوَ الَّذِي

بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ کے الفاظ مبارکہ سے۔ دونوں مقامات پر ایک ہی

اسلوب ہے اور نہایت ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ ”وہی اللہ ہے جس نے اٹھایا امیین میں ایک رسول انہی میں سے“۔ بعث کے معنی ہیں کسی چیز کا اٹھانا یا برپا کرنا۔ چنانچہ ”بعث بعد الموت“ کی اصطلاح موت کے بعد جی اٹھنے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ لفظ ”أُمِّيِّينَ“ پر ہم ان شاء اللہ بعد میں گفتگو کریں گے کہ یہ اس سورہ مبارکہ کے اہم مضامین میں سے ہے۔ ابھی ذرا وقتی طور پر اس لفظ سے توجہ کو ہٹاتے ہوتے آگے بڑھئے۔ اگلے الفاظ اس اعتبار سے نہایت اہم ہیں کہ ان میں رسولؐ کے طریق کار یا منہج عمل کا بیان ہے کہ وہ رسول جو اللہ نے مبعوث فرمایا ہے، کیا کرتے ہوئے آیا ہے: ﴿تَلَاوَاتِ آيَاتٍ﴾ (یعنی اللہ کی آیات) اور ان کا ترکیب کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی۔“ آیت کا آخری ٹکڑا حسب ذیل ہے: ﴿وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ ”اور اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔“

چار اہم اصطلاحات

یہ ہے وہ آیہ مبارکہ جس کے بارے میں عرض کیا گیا ہے کہ یہ مضمون کے اعتبار سے اس سورہ مبارکہ کی مرکزی آیت ہے۔ اس میں چار اصطلاحات وارد ہوئی ہیں :

(i) تلاوت آیات (ii) ترکیب (iii) تعلیم کتاب اور (iv) تعلیم حکمت۔ ان چاروں پر آپ غور کریں گے تو پہلی بات نمایاں ہو کر آپ کے سامنے یہ آئے گی کہ ان چار میں سے کم از کم دو کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ان سے مراد سوائے قرآن کے اور کچھ نہیں! ظاہر بات ہے کہ تلاوت آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات ہی کا پڑھ کر سنانا ہے۔ اسی طرح تعلیم کتاب سے مراد بھی قرآن حکیم ہی کی تعلیم ہے۔ البتہ دو اصطلاحات وہ ہیں کہ جن کے بارے میں کچھ ظاہر بین لوگوں کو یہ اشتباہ لاحق ہو سکتا ہے کہ شاید ان سے کتاب اللہ کے سوا کوئی اور شے مراد ہے۔ چنانچہ عمل ترکیب کے بارے میں ایک گمان یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا اپنا علیحدہ تشخص ہے۔ اسی

طرح لفظ ”حکمت“ کے بارے میں بھی ہمارے ہاں ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا اور بعض بڑے بڑے ائمہ دین کی طرف سے، جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں، یہ خیال سامنے آیا ہے کہ اس سے مراد سنتِ رسولؐ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے تمام تراجم کے باوصف یہاں ہمیں یہ غور کرنا ہو گا کہ ان چاروں اصطلاحات کا باہمی ربط و تعلق کیا ہے اور خود قرآن حکیم کے دوسرے مقامات سے ان کا کیا مفہوم متعین ہوتا ہے۔ جس طرح سورۃ العصر کے بارے میں عرض کیا گیا ہے کہ شرائطِ نجات کے بیان میں وہ چاروں چیزیں جو وہاں بیان ہوئی ہیں ان میں باہم بڑا گہرا معنوی ربط موجود ہے۔ ایمان حقیقی کا لازمی نتیجہ عمل صالح ہے۔ اور عمل صالح اگر جنگلی کو پنپے گا تو اس سے تو اوصیٰ بالحق کے برگ و بار لازماً ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اسی طرح اگر صحیح معنی میں حق کی دعوت دی جائے تو یقیناً صبر کا مرحلہ بھی طے ہو گا۔ **اصطلاحات** آئیں گی اور انہیں جھیلنا ہو گا۔ تو جس طرح سورۃ العصر کی ان چار اصطلاحات میں باہم گہرا ربط ہے، اسی طرح سورۃ الجمعہ کی متذکرہ بالا چار اصطلاحات بھی باہم مربوط ہیں۔

تزکیے کے بارے میں تفصیلی گفتگو تو بعد میں ہوگی، سرِ دست اتنی بات نوٹ کر لیجئے کہ قرآن مجید مدعی ہے کہ تزکیہ کا اصل ذریعہ وہ خود ہے۔ سورۃ یونس میں صاف الفاظ میں فرما دیا گیا : ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكْوِينُكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ﴾ یعنی ”اے لوگو! تمہارے پاس آپچی ہے تمہارے رب کی طرف سے ایک موعظت، ایک نصیحت جو شفا ہے تمہارے سینوں کے امراض کے لئے۔“ یہ قرآن تمہارے تمام باطنی اور روحانی امراض کا مداوا بن کر نازل ہوا ہے۔ تزکیہ، نفس یا تزکیہ باطن کا اصل ذریعہ خود قرآن ہے۔ اور جہاں تک ”تعلیم حکمت“ کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں ہمارے اس منتخب نصاب میں سورۃ بنی اسرائیل میں وہ آیت وارد ہو چکی ہے جو اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے کافی ہے کہ حکمت کا اصل سرچشمہ بھی خود قرآن ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے : ﴿ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ ”یہ ہے وہ چیز کہ (اے محمد ﷺ) آپ پر وحی کی ہے آپ کے رب نے از قلم حکمت!“ تو معلوم ہوا کہ یہ چاروں اصطلاحات یعنی تلاوتِ آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت درحقیقت قرآن مجید

ہی کے گرد گھوم رہی ہیں اور ان سب کا مرکز و محور قرآن مجید ہی ہے۔ گویا بالفاظ دیگر محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا آلہ انقلاب یہی قرآن مجید ہے، جس کے بارے میں مولانا حالی نے بڑے پیارے انداز میں کہا تھا ۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا

اور اک نسخہٴ کیمیا ساتھ لایا

غور کیجئے، محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے افراد کی زندگیوں میں وہ عظیم انقلاب کیسے برپا فرمایا! ان کے فکر اور ان کے کردار میں جو ہمہ گیر تبدیلی آئی وہ کیونکر آئی؟ اس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس تمام تبدیلی کی بنیاد اور اساس خود قرآن حکیم ہے۔ تو آئیے کہ ہم ان چار اصطلاحات پر اپنی توجہات کو مرکوز کریں!

تلاوتِ آیات

نبی کریم ﷺ کا پہلا کام یا آپ کے فرائض چار گانہ میں سے پہلا فریضہ ہے تلاوتِ آیات، جس کے لئے یہاں الفاظ لائے گئے : ﴿تَنَلُّوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ﴾ — ”تَلَا، تَنَلُّوْا“ اگر بغیر کسی صلے کے آئے تو اس کے معنی خود پڑھنے کے ہوتے ہیں اور جب اس پر ”علی“ کا اضافہ ہو جائے، جیسے تَلَا عَلَیْہِ تو اس کے معنی ہوں گے کسی کو پڑھ کر سنانا۔ کارِ نبوت یا کارِ رسالت کا سرِ آغاز یہی تلاوتِ آیات ہے۔ دعوت کا آغاز تلاوتِ آیات ہی سے ہوتا ہے۔

لفظ آیات پر اس سے قبل ہمارے ان اسباق میں گفتگو ہو چکی ہے۔ غور کیجئے کہ آیات یا نشانیوں کا حاصل کیا ہے! ہم پڑھ چکے ہیں کہ ان آیات سے اصل مقصود ذہن کو اللہ کی جانب متوجہ کرنا ہے۔ اللہ کی یاد دلوں میں تازہ ہو جائے، اللہ کی معرفت اور اس پر ایمان قلوب میں اجاگر ہو جائے۔ یہی آیات ہیں کہ جو پھر انسان کو بعث بعد الموت کی طرف اور جزا و سزا کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ گویا ہر اعتبار سے اذلیل کام تلاوتِ آیات ہی بنتا ہے۔ قرآن مجید کی حکمتِ نزولی سے ہمیں اس کی مزید تائید ملتی ہے کہ قرآن مجید میں کئی سورتوں میں جو آیات نازل ہوئی ہیں ان سب کا بنیادی موضوع ایک ہی ہے اور وہ

ہے توحید، کہ اصل مقصود یہ ہے کہ ایمان باللہ دلوں میں جاگزیں ہو جائے، ہستی باری تعالیٰ کا یقین راسخ ہو جائے، اس کی صفات کمال کا علم حاصل ہو جائے، اس کی توحید پر دل ٹھک جائے، جزا و سزا، بعث بعد الموت، حشر نشر اور جنت و دوزخ پر ایک یقین محکم پیدا ہو جائے، نبوت و رسالت اور انزالِ وحی و کتب کے ضمن میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ یہ ہے اصل اہمیت کی چیز، یہ ہے کارِ رسالت کا نقطہ آغاز!

قرآن حکیم کی آیات نے آکر لوگوں کے ذہنوں سے تمام طحہ انہ خیالات، مشرکانہ عقائد اور اس کائنات اور خود اپنے بارے میں انسان کے قائم کردہ تمام غلط نظریات کو دھو دیا اور صاف کر دیا۔ اس تطہیر ذہنی و فکری کا اصل ذریعہ ہے تلاوتِ آیات!

ایک فرد کے معاملے کو ذہن میں رکھ کر آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

ایک شخص کو اسلام میں انقلاب آجائے تو ظاہر بات ہے کہ آپ کو سب

سے پہلے اس کی سوچ اور اس کے نقطہ نظر کا جائزہ لینا ہو گا اور اس کے فکری اصلاح سے

کام کا آغاز کرنا ہو گا۔ اگر آپ چھوٹے ہی اسے کچھ شعائرِ اسلامی کا احترام کرنے یا نماز

روزے کی تلقین کریں گے تو یہ ایک غیر حکیمانہ ترتیب ہوگی۔ آپ کو سب سے پہلے یہ

جائزہ لینا ہو گا کہ اس شخص کا فکر کیا ہے، اس کی سوچ کیا ہے، آیا وہ اس کائنات کو محض

ایک حادثہ سمجھتا ہے اور اس کا یہ خیال ہے کہ یہ نظام از خود چل رہا ہے یا وہ مانتا ہے کہ

اس کا کوئی خالق، مالک اور مدبّر بھی ہے!! اسی طرح یہ دیکھنا ہو گا کہ آیا وہ اسی دنیوی

زندگی کو کل زندگی سمجھتا ہے یا حیات بعد موت کا کوئی تصور اس کے ذہن میں موجود ہے!

— اور آیا وہ صرف عقل اور حواس ہی کو اپنے لئے حصولِ علم کا ذریعہ اور ہدایت و

رہنمائی کا سرچشمہ سمجھتا ہے یا یہ کہ وہ کسی ماوراءِ عقل یا ماوراءِ حواس ذریعہ علم

(source of knowledge) کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ ہے؟ اگر آپ کی اس

انقلابی کوشش کا آغاز یہاں سے نہیں ہو گا تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی کوششیں بار آور نہیں

ہوں گی۔ اگر ذہن پر مادہ پرستی، الحاد اور مختلف مشرکانہ ادہام کا تسلط ہے تو سب سے پہلے

ان کی تطہیر لازم ٹھہرے گی۔

جس ماحول میں وہ انقلاب برپا فرمایا اس میں

تلاوت آیات کے ذریعے لوگوں کی ذہنی اور فکری تطہیر کے عمل کو مقدم رکھا۔ مادہ پرستی، الحاد اور مشرکانہ ادہام کے زہر سے قلوب و اذہان کو پاک کر کے مثبت طور پر دلوں میں ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالوحی اور رسالت کی بنیادیں قائم کیں۔ یہ ہے درحقیقت انقلاب محمد ﷺ کا نقطہ آغاز۔ یہاں سے بات آگے چلتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے کہ دعوت و تبلیغ کے بارے میں جتنی اصطلاحات بھی وارد ہوئی ہیں ان سب کا بنی، ان سب کا مرکز اور محور قرآن مجید خود اپنے آپ کو قرار دیتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ضمن میں ”انذار و تبشیر“ انبیاء کرام کا ایک بنیادی فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ انذار کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ﴾ (الانعام: ۱۹) ”مجھ پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اس کے ذریعے سے خبردار کر دوں۔“ معلوم ہوا کہ انذار کا اصل ذریعہ خود قرآن حکیم ہے۔ اسی طرح تبشیر کے بارے میں فرمایا: ﴿فَإِنَّمَا يَسْتَرْزِقُهُ بِلسَانِكَ لِشَيْئِهِ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرُ بِهِ قَوْمًا لَّدَاوٰ﴾ (مریم: ۹۷) ”(اے نبی!) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے، تاکہ آپ اسی کے ذریعے اہل تقویٰ کو بشارت دیجئے اور اسی کے ذریعے آپ انذار فرمائیے اور خبردار کیجئے جھگڑالو قوم کو۔“ گویا انذار ہو یا تبشیر دونوں کا ذریعہ اور مرکز و محور خود قرآن ہے۔ اسی طرح انبیاء کا ایک فریضہ ”تذکیر“ بھی ہے۔ یعنی یاد دہانی کرانا، نصیحت کرنا۔ سورہ ق کی آخری آیت میں اس کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَبِدَ﴾ ”تذکیر فرمائیے اس قرآن کے ذریعے سے ہر اس شخص کو جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔“ اسی طرح فرائض نبوت و رسالت کی تعبیر کے ضمن میں ایک اہم اصطلاح ”تبلیغ“ کی ہے۔ سورہ المائدہ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ ”(اے نبی!) پہنچا دیجئے تبلیغ فرمائیے اُس کی جو نازل کیا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے۔“ الغرض دعوت و تبلیغ کے ضمن میں قرآن حکیم کی جو بھی بنیادی اصطلاحات ہیں مثلاً انذار و تبشیر اور تذکیر و تبلیغ، ان سب کا مرکز و محور خود قرآن ہے۔ چنانچہ سیرت مطہرہ میں بھی ہمیں نظر آتا ہے کہ آپ نے ہر جگہ قرآن ہی کو پیش کیا، اپنی بات کہنے اور اپنی تقریر کرنے سے حتی الامکان احتراز فرمایا۔ بعض لوگوں نے خطبات نبویؐ کو جمع کرنے

کی کوشش کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی قلیل تعداد میں خطبات دستیاب ہو سکے ہیں۔ آپ کی گفتگو نہایت جامع اور مختصر ہوتی تھی اور جس جگہ بھی آپ دعوت پہنچانے کے لئے تشریف لے جاتے قرآنی آیات لوگوں کو پڑھ کر سناتے اور ان کے ذریعے انداز، تبشیر اور تذکیر فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایک کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ یہ ایک پیغام ہے جس کو لے کر میں آیا ہوں۔ اسی قرآن کے ذریعے سے آپ نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔ تو گویا انقلاب محمدیؐ کا نقطہ آغاز ہے تلاوت آیات اور اس کے ذریعے انداز و تبشیر، تذکیر و نصیحت اور دعوت و تبلیغ!

ترکیہ

﴿يَنْتَظِرُوا عَلَيْنَاهُمْ﴾ کے بعد اب آگے چلے! ﴿وَيُؤْتِنَاهُمْ﴾۔ یہ وہ مرحلہ ہے جس کے بارے میں بد قسمتی سے ہمارے ہاں سب سے زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور یہ خیال عام ہے کہ قرآن مجید نے شاید ترکیہ نفس کا کوئی طریقہ ہمیں عطا نہیں فرمایا! بلاشبہ یہ بہت بڑا سوئے ظن ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کے طرز عمل سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس سوئے ظن میں مبتلا ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ترکیہ نفس کا کوئی طریقہ ہمیں عطا نہیں فرمایا۔ میں پھر عرض کروں گا کہ یہ بہت بڑا سوئے ظن ہے قرآن حکیم سے بھی اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے بھی۔

ترکیہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس مرحلے پر اسے اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ نوٹ کیجئے کہ ترکیہ کرنا انسان کا مطلوب ہے اور انسان مجموعہ ہے دو چیزوں کا۔ ایک ہے اس کی فکر اور اس کی سوچ اور دوسری چیز ہے اس کا عمل اور اس کی روش یا اس کا وہ طرز عمل جو وہ زندگی میں اختیار کرتا ہے۔ کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جن کے فکر و عمل میں بُعد یا تضاد پایا جاتا ہے۔ ایسے شخص کو آپ ایک مریض شخصیت قرار دیتے ہیں، اسے نارمل انسان نہیں قرار دیا جاتا، ورنہ ایک نارمل انسان ایک ناقابل تقسیم اکائی (integrated whole) ہوتا ہے، اس کا عمل اور اس کا رویہ درحقیقت اس کے نظریات، اس کے افکار، اس کی سوچ اور اس کی فکر پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر سوچ غلط ہے،

نقطہ نظر غلط ہے، قلوب و اذہان پر اگر غلط نظریات و افکار کا تسلط ہے تو ظاہرات ہے کہ عمل از خود غلط ہو جائے گا۔ عمل کو درست کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے سوچ کو درست کیجئے، نقطہ نظر کی اصلاح کیجئے، فکر کو صحیح بنیادوں پر استوار کیجئے، اسے صحیح اساس پر reconstruct کیجئے اور تب توقع رکھئے کہ اس کا عمل درست ہو گا اور صحیح خطوط پر استوار ہو گا۔ قرآن مجید کا طریق تزکیہ یہ ہے۔ چنانچہ اس آیت میں تزکیہ کا ذکر دراصل ﴿يَتْلُوْا عَلٰیہِمْ اٰیٰتِہٖ﴾ کے نتیجے کے طور پر آیا ہے کہ آیات الہیہ کے ذریعے سے جب انسان کے فکر کی اصلاح ہو گئی، اس کے نظریات درست ہو گئے، الحاد و مشرکانہ ادہام کی جڑیں جب انسان کے ذہن اور اس کے قلب سے کٹ گئیں تو گویا اس طریقے سے انسان غلام ہو رہی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط اعمال بالکل اس طرح سے انسانی سیرت سے علیحدہ ہو جائیں گے جس طرح سے پت جھڑ کے موسم میں پتے درختوں سے گر جاتے ہیں۔ بد قسمتی سے تزکیہ نفس کے ضمن میں ہمارے صوفیاء نے جو مختلف طریقے اختیار کئے ہیں وہ طریق نبویؐ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ ہماری ایک بڑی بد قسمتی یہ بھی رہی ہے کہ دور صحابہؓ کے بعد ہمارے ہاں اس وحدت فکر و عمل میں بتدریج زوال آتا چلا گیا جو دور خلافت راشدہ کا طرہ امتیاز تھی۔ کچھ لوگ قانون اور فقہ کے ماہر بن گئے اور کچھ نے تزکیہ نفس کے میدان کو اختیار کر لیا۔ اس طریقے سے مختلف گوشوں میں یہ تمام امور بڑھتے چلے گئے اور ہر گوشہ اپنے ہی انداز میں ترقی کرتا اور پروان چڑھتا رہا۔ اس طرح وہ وحدت فکر و عمل جو قرآن مجید نے عطا کی تھی، مجروح ہوئی۔ چنانچہ تزکیہ نفس کے معاملے میں نہ معلوم کہاں سے یہ نظریات لئے گئے اور کہاں سے یہ نفسیاتی ریاضتیں اور مشقتیں اخذ کی گئیں کہ جن کے ذریعے سے تصفیہ باطن، تزکیہ نفس اور تربیت روحانی کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں واقعہ یہ ہے کہ میں گہرے احساس کے ساتھ اور علیٰ وجہ البصیرت یہ عرض کر رہا ہوں کہ اس میدان میں طریق نبویؐ سے کچھ زیادہ ہی دوری ہوتی چلی گئی۔ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تربیت اور اسلوب تزکیہ اس سے بہت مختلف تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے تزکیہ نفس کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا تھا وہ یہی تھا کہ پہلے اس

قرآن کے ذریعے سے فکر کی تطہیر کی جائے، نقطہ نظر اور سوچ کی اصلاح کی جائے، نتیجتاً غلط اعمال پت جھڑکے پتوں کی طرح از خود جھڑ جائیں گے یا جیسے اس درخت کے پتے سوکھ کر جھڑ جاتے ہیں جس کی جڑ کاٹ دی گئی ہو۔ یہ ہے تزکیہ کا عمل اور جان لیجئے کہ قرآن مجید ہی درحقیقت اس عمل تزکیہ کا بھی محور ہے۔ ”تلاوت آیات“ کی طرح تزکیے کی اساس اور بنیاد بھی یہی قرآن ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس معاملے میں جو طریقے اختیار کئے گئے ان میں بالعموم قرآن حکیم کو نظر انداز کر دیا گیا۔ علامہ اقبال نے اس تلخ حقیقت کی جانب اپنے ان اشعار میں بڑی خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے :

صوفی پشینہ پوشِ حال مست

نغمہ قوال مست

آتش از شعر عراقی در دلش

در نمی سازد بقرآن محفلش

کہ اس عمل تزکیہ کا سارا تعلق قرآن حکیم سے تو کتنا چلا گیا اور صوفیوں کا حال بالعموم یہ ہو گیا کہ عراقی یا اس قبیل کے دیگر شعراء کے اشعار سے تو ان کے دلوں میں حرارت پیدا ہوتی ہے لیکن قرآن کو سن کر ان کی آنکھیں پُر نم نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ تلاوت قرآن کے ذریعے سے اندرونی کشافوں اور کدورتوں کی صفائی کرنے کا جو طریقہ تھا محمد رسول اللہ ﷺ کا، وہ متروک ہوتا چلا گیا اور تزکیہ کا عمل جو درحقیقت براہ راست نتیجہ تھا ”يَنْتَلِزُوا عَلَيْهِمُ الْآيَةُ“ کا اسے اس کی اصل سے کاٹ دیا گیا۔ علامہ اقبال نے بعض حقائق کی تعبیر بڑی خوبصورتی سے کی ہے اور اس اعتبار سے میری گفتگو میں اُن کا بار بار حوالہ آ رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

گشتنِ ابلیس کارے مشکل است

زاں کہ او گم اندر اعماقِ دل است

کہ ابلیس کو قتل کر دینا اور اس کو بالکل ختم کر دینا بڑا مشکل کام ہے، اس لئے کہ وہ تو لوگوں کے وجود کے اندر سرایت کر جاتا ہے، دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اس حدیث نبویؐ کا ترجمہ یا ترجمانی ہے کہ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا :

((اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْعَلُ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْحُوًى))

”بے شک شیطان تو انسان کے وجود کے اندر اس طرح جاری و ساری ہو جاتا ہے جیسے (اس کی رگوں میں) خون دوڑتا ہے۔“

اس کے بعد علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

خوشر آں باشد مسلمان کنی
کشتہ شمشیر قرآن کنی

اس شعر کے پہلے مصرعے میں بھی درحقیقت ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ اس پر صحابہؓ میں سے ایک شخص نے بڑی ہمت کر کے سوال کیا کہ حضور! کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہے، لیکن میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی حدیث کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ ط

خوشر آں باشد مسلمان کنی

یعنی بہتر یہ ہے کہ تم اس شیطان کو مسلمان کر لو! لیکن اس کا طریقہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ ط
کشتہ شمشیر قرآن کنی!

اسے قرآن کی شمشیر سے قتل کرو۔ تمہارے اندر اگر غلط خیالات، غلط رجحانات، غلط جذبات اور غلط شہوات پیدا ہو رہی ہیں تو یہ درحقیقت تمہاری غلط سوچ و فکر اور تمہارے نقطہ نظر کے کج ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ یہ قرآن ایک ایسا ذریعہ ہے جو تمہاری سوچ کو صحیح کرے گا، تمہارے نقطہ نظر کو درست کرے گا، اور تمہارے نظامِ اقدار (Value System) کو صحیح بنیادوں پر استوار کرے گا۔ یہ ہے وہ طریقہ کہ جس سے تمہاری شخصیت میں انقلاب آئے گا اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط عادات اور غلط افکار کے دھبے تمہاری شخصیت سے خود بخود دور ہوتے چلے جائیں گے اور باطن کے اس انقلاب کے بعد ہی تم اس قابل ہو سکو گے کہ خارج میں بھی انقلاب برپا کر سکو!

میں یہاں پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کے اس انقلابی عمل میں قرآن

کے ساتھ مولانا حالی نے ان الفاظ کو بڑے ہی اجمال کے ساتھ

میں بیان کیا ہے کہ ۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیسا ساتھ لایا

واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں اس حقیقت کو علامہ اقبال مرحوم نے کماحقہ سمجھا ہے اور اس کا ادراک کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی عظمت کا بیان جس طرح ہمیں ان کے ہاں ملتا ہے وہ اس دور کے کسی اور شخص کے ہاں نہیں ملتا۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیت ممکن جز بہ قرآن زیستن
آپس کتابتِ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم
فاش گویم آنچه در دل مضمر است
اس کتابے نیت چیزے دیگر است
مشقِ حق پناہ و ہم پیدا است او
زنده و پائندہ و گویا است او
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

ان اشعار میں سے آخری شعر میں علامہ اقبال نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ جب یہ قرآن کسی کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے، اس کے اندر ایک عظیم انقلاب آ جاتا ہے، اس کی سوچ، اس کا فکر اور اس کے نظریات بدل جاتے ہیں، اس کی اقدار، اس کا نقطہ نظر اور زاویہ نگاہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب گویا کہ وہ مکمل طور پر ایک بدلا ہوا انسان ہے اور اس کے اندر سے جو یہ تبدیلی ابھری ہے، یہی درحقیقت صحیح طور پر خارج میں ایک تبدیلی برپا کرے گی اور اس طرح تمام غلط رویے اور تمام غلط اعمال خود بخود ختم ہوتے چلے جائیں گے، کیونکہ اندر سے ان کو غذا دینے

والی جزیں اب کافی جاچکی ہیں۔ تعلیم کتاب

تلاوت آیات اور تزکیہ نفوس کے بعد تیسرا مرحلہ ”تعلیم کتاب“ کا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا :

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ﴾

”اور وہ تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب کی۔“

یہاں ایک بات نوٹ کر لینی چاہئے کہ جیسا کہ آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے ”تلاوت آیات“ میں بھی پیش نظر قرآن ہے۔ لیکن یہاں پھر جو کتاب کا لفظ آیا ہے تو اس میں یقیناً قرآن مجید کا کوئی دوسرا پہلو پیش نظر ہے۔ اس طرح مختلف الفاظ سے قرآن مجید ہی کے مختلف پہلو یا اقسام کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید میں لفظ ”کتاب“ بالعموم قانون کے لئے آتا ہے، مثلاً کسی چیز کے وجوب اور فرضیت کا بیان ”کتاب“ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا : ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ ”تم پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا“ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ ”تم پر قتال فرض کر دیا گیا“۔ ایسے ہی وصیت کے وجوب کے بارے میں جو ابتدائی حکم تھا اس کے الفاظ ہیں : ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلَّذِينَ وَالِ الْأَقْرَبِينَ.....﴾ ”تم پر واجب کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آ موجود ہو اور اگر وہ کچھ مال چھوڑ کر جا رہا ہو تو والدین اور رشتے داروں کے لئے وصیت کر جائے!“ ”کیس آتا ہے : ﴿حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابَ أَجَلَهُ.....﴾ ”یہاں تک کہ قانون اپنی اصل مدت کو پہنچ جائے“۔ تو لفظ ”کتاب“ کا اطلاق اس کی پوری ہمہ گیریت کے ساتھ پورے قرآن مجید پر بھی ہو گا۔ لیکن جب قرآن کے مختلف پہلوؤں کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے جا رہے ہوں تو ”کتاب“ سے مراد قوانین اور احکام ہوں گے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کی وضاحت کے لئے مختلف الفاظ آرہے ہیں۔ سب سے پہلے فرمایا : ﴿يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ اور یہاں

”تلاوت آیات“ سے مراد لازمی طور پر قرآن حکیم ہی کی آیات کی تلاوت ہے۔ اس کے بعد ﴿يُزَكِّيهِمْ﴾ کے الفاظ میں تزکیہ نفس کا ذکر کیا گیا جو اسی کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ پھر ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ﴾ میں جو لفظ ”کتاب“ دوبارہ آیا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد احکام شریعت (DOS AND DON'Ts) ہیں، یعنی یہ کرو اور یہ نہ کرو! یہ حلال ہے اور یہ حرام!

احکام شریعت میں حکمتِ تدریج

حلال و حرام کے احکام دینے میں یہ تدریج اور ترتیب برقرار رکھی گئی ہے کہ انہیں قلوب و اذہان کو بدلے بغیر نافذ نہیں کیا گیا۔ جب ذہن و فکر کی تبدیلی عمل میں آچکی، دلوں کی بنیادیں مستحکم ہو چکا اور بنیادی طور پر بُرے کردار اور بُرے اخلاق سے انسان کا دامن صاف ہو چکا تو اب یوں سمجھئے کہ گویا زمین میں ہل چل چکا ہے اور وہ بیج ڈالے جانے کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ اب بیج ڈالیں گے تو وہ بیج بار آور ہو گا، نتیجہ خیز ہو گا۔ زمین کو تیار کئے بغیر بیج ڈال دیا جائے تو بیج ضائع ہو جائے گا۔ چنانچہ جب ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ کا عمل کیا جا چکا اور تزکیے کے بنیادی تقاضے پورے ہو چکے، تب کہا گیا کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو! اور اس وقت ہر حکم کو پوری خوش دلی کے ساتھ قبول کیا گیا۔ غور کیجئے کہ قرآن میں پہلے ہی حلال اور حرام کے احکام کیوں نہیں آگئے اور ان کا نزول اتنی دیر کے بعد کیوں ہوا؟ یا پورا قرآن یک دم کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟ اس کی وجہ یہی حکمتِ تدریج ہے۔ پہلے وہ آیات اور سورتیں اتریں جنہوں نے قلوب و اذہان کی دنیا میں ہل چلایا اور اس میں سے کثافتوں کو نکال کر باہر پھینک دیا، ایمان کی بنیادوں کو استوار کیا، نتیجتاً بنیادی انسانی اخلاق پر وہان چڑھے اور گندگیوں سے سیرتیں پاک ہو گئیں۔ اس طرح جب یہ زمین پوری طرح تیار ہو گئی تو اس میں بیج ڈالا گیا اور یہ بیج خوب بار آور ہوا۔ یہ ہے وہ حکمت اور تدریج کہ جو قرآن مجید نے اپنے نزول میں ملحوظ رکھی، یا صحیح تر الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ قرآن کے نازل کرنے والے نے اس کے نازل کرنے میں پیش نظر رکھی اور اسی حکمت اور اسی تدریج کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ نے انقلاب برپا کیا۔

یہ اسی کا مظہر ہے کہ ذہنی و قلبی تربیت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو بھی حکم دیا گیا وہ انہوں نے بلا تامل قبول کیا۔ انہیں جس چیز کے چھوڑنے کو کہا گیا وہ انہوں نے فوراً ترک کر دی۔ غور کیجئے کہ شراب جیسی چیز جسے قطعی دنیا میں بھی ”habit making“ مانا جاتا ہے اور جو انسان کے پورے جسمانی نظام کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا دوغٹا چھوڑ دینا نقصان دہ ہو سکتا ہے، جب اس کی حرمت کا حکم آتا ہے تو قرآن مجید اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اعجاز دیکھئے کہ شراب کا جام اگر کسی کے ہونٹوں تک بھی پہنچا ہوا تھا تو اس کا ایک گھونٹ اس کے اندر نہیں گیا۔ شراب کی حرمت کے اعلان کے ساتھ ہی اس کے تمام برتن توڑ ڈالے گئے اور مدینے کی گلیوں میں شراب کی ندیاں بہہ نکلیں۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کی گھٹی میں شراب تھی، جن کے ہاں شراب کا بالکل وہی تصور تھا جو آج کے زمانے میں ہے، لیکن پینے کی اصل شے شراب ہے۔ شراب ان کی تمدنی زندگی کا جزو لاینفک تھی، شراب پیتے ہوئے ان کی ساری ساری عمریں بیت گئی تھیں، شراب ان کی گھٹی میں پڑی تھی، لیکن جب شراب کی حرمت کا حکم آ گیا تو انہوں نے اس کو کسی توقف کے بغیر چھوڑ دیا، اور اس شان کے ساتھ چھوڑا کہ پھر پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ یہ درحقیقت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ ہے اور اس معجزے کی بنیاد یہی تدریج اور حکمت ہے۔

احکام کی تنفیذ سے پہلے ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ یہ یقین پیدا ہو چکا تھا کہ محمد (ﷺ) جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنی طرف سے نہیں، اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ انہیں اللہ کی ذات اور آخرت پر یہ پختہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے، جہاں تمام اعمال کی جو ادائیگی ہوگی اور یہ کہ اصل زندگی آخرت کی ابدی زندگی ہے۔ جب یہ یقین پیدا ہو چکا تو اب کسی لمبے چوڑے استدلال کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جب سود کی حرمت کا حکم آیا تو اس کے لئے کسی منطقی استدلال کی ضرورت نہیں پڑی۔ تجارت کے ساتھ اس کی ظاہری مشابہت کی بناء پر اگر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ ﴿إِنَّمَا التَّبَيُّعُ مِثْلُ الزَّبَا﴾ تو جواب صرف یہ دیا گیا ﴿أَحَلَّ اللَّهُ التَّبَيُّعَ وَحَرَّمَ الزَّبَا﴾ کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور

نود کو حرام ٹھہرایا ہے۔ تو جو کوئی اللہ کو مانتا ہو اور یہ ایمان رکھتا ہو کہ محمد (ﷺ) یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے، اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں، تو اب اس کے لئے چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس کے برعکس امریکہ میں بڑے ٹھوس اعداد و شمار کی بنیاد پر شراب پر پابندی عائد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ شراب نوشی کے نقصانات گنوائے گئے، بتایا گیا کہ ٹریفک کے حادثات اکثر و بیشتر شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں، کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ کسی ذمہ دار افسر کو شراب کے نشے میں مست کر کے جاسوس حسینائیں اس سے قومی اہمیت کے بڑے اعداد و شمار مٹیا کرنے کے بعد بھی جب اس پر پابندی عائد کی گئی تو یہ سارے اعداد و شمار، یہ سارا فلسفہ اور سارے طبی اور سائنسی حقائق دھرے کے دھرے رہ گئے اور ”جھپٹی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی“ کے مصداق پابندی کا یہ حکم قبول نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حکم واپس لینا پڑا اور شراب کی حلت کو پھر سے تسلیم کرنا پڑا۔ لیکن محمد رسول اللہ (ﷺ) نے جو انقلاب برپا کیا اس کے process میں ہمیں ایک تدریج نظر آتی ہے۔ چنانچہ پہلے کتاب الہی کی تلاوت آیات اور پھر اسی کے ذریعے سے تزکیہٴ نفوس کے بعد تعلیم کتاب یعنی احکام شریعت کی تعلیم اور تنفیذ کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے پر اب ادا مروا تو اہی، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پوری فہرست دے دی گئی اور اس کی تنفیذ بھی ہو گئی۔

تعلیم حکمت

انقلاب نبویؐ کے اساسی منہاج کا آخری مرحلہ ”تعلیم حکمت“ کا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ”حکمت“ کا لفظ اس سے پہلے سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کے ضمن میں آیا تھا: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ﴾ اُس مقام پر لفظ ”حکمت“ پر گفتگو کی گئی تھی اور عرض کیا گیا تھا کہ عربی میں ”ح ک م“ کا مادہ بنیادی اور اہم ہے۔ حکمت انسانی عقل اور شعور کی چنگلی

ہے۔ انسان کے اندر غور و فکر کی جو استعداد ہے اس کا پختہ (mature) ہو جانا اور اس میں اصابت رائے کی صلاحیت کا پیدا ہو جانا حکمت ہے اور یہ انسان کی صلاحیتوں میں بلند ترین چیز ہے۔ عام تعلیمی نظام میں بھی تربیت انسانی کے نقطہ نظر سے یہ تدریج ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ کسی بچے کو آپ پہلے تاریخ کے واقعات کا مطالعہ کروائیں گے اور اس کو یاد کروائیں گے کہ فلاں فلاں واقعات کب اور کیسے ہوئے۔ اس کے بعد پھر ایک مرحلہ ”فلسفہ تاریخ“ کا آتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ فلاں قوم کو شکست کیوں ہوئی؟ فلاں تہذیب کو عروج کیوں حاصل ہوا اور فلاں تمدن زوال پذیر کیوں ہوا؟ وغیرہ۔ اسی طرح آپ جغرافیہ میں پہلے یہ پڑھائیں گے کہ فلاں ملک کی آب و ہوا کیا ہے، وہاں کی زرعی پیداوار کیا ہے اور وہاں کون کون سے معدنی ذخائر پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد پھر طبیعی جغرافیہ (Physical Geography) میں یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ یہ تغیر و تبدل کیوں ہے؟ یہ موسم اس طرح کیوں بدلتے ہیں؟ فلاں جگہ یہ چیز کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اور فلاں خطے میں یہ معدنیات کیوں پائی جاتی ہیں؟ تو درحقیقت یہ ”کیوں اور کیسے؟“ ہر گوشہ علم میں چوٹی کی چیز ہے۔ اسی طریقے سے دین کا معاملہ ہے۔ انسانی ذہن اور شعور تربیت پاکر وہ چٹنگی حاصل کر لیں کہ انسان دین کے ”کیوں اور کیسے“ کو سمجھ سکے تو یہ ”حکمت“ ہے۔ فاتح دور حاضر امام المند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رضی اللہ عنہ کی شہرہ آفاق کتاب ”حُجَّةُ اللہِ الْبَالِغَةُ“ کا موضوع یہی حکمت دین ہے کہ احکام شریعت میں کیا حکمتیں ہیں، ان کے کیا مقاصد ہیں۔

دین پر عمل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کو شریعت کے ادا و مروا ہی کی پابندی کرنی ہے۔ ”سمع و طاعت“ اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔

Theirs not to reason why?

Theirs but to do die!

لیکن اس سے بلند تر سطح یہ ہے کہ وہ بصیرت باطنی اور enlightenment پیدا ہو جائے کہ جس سے نظر آنے لگے کہ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے، اس کی حکمتیں کیا ہیں، اس کی غرض کیا ہے، اس کی اصلاح کیا ہے، اس کی اصلاح کیا ہے! انسان کے اپنے مفاد میں اور نظام اجتماعی

کے اپنے مصالح کے اعتبار سے دین کے ان احکام کی کیا اہمیت اور کیا مقام و مرتبہ ہے!! اس مرحلے پر پہنچ کر حکم بوجہ محسوس نہیں ہوتا بلکہ ایک نعمت معلوم ہونے لگتا ہے۔ تب شریعت کے اوامرو نواہی طبعیت کے لئے کسی ناگواری کیفیت کے حامل نہیں رہ جاتے، بلکہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان ہونے کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں شریعت کو نعمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے: ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي...﴾ یعنی یہ اللہ کا انعام ہے کہ اُس نے تمہیں تمام پیچیدہ اور پُر پیچ راہوں میں ایک درمیانی راہ ”صراطِ مستقیم“ عطا فرمادی اور ایک متوازن اور معتدل نظام تمہیں عطا فرمایا۔ یہ سراسر انعام خداوندی ہے، اور اس نعمت کا اتمام ہوا ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر۔ سورۃ البقرہ میں اس ”حکمت“ کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتْلُو الْقُرْآنَ فَتُحْزَنَ مِنْهُ وَأَتَمَّمْتَ خُطْبَتَكَ فَأَنْتَ فَخْرُ الْعَالَمِينَ﴾ کہ جس کو حکمت عطا کر دی گئی اسے تو خیر کثیر سے نوازا دیا گیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ حکمت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی دولت ہے اور اللہ کا اُس شخص پر بہت ہی بڑا احسان ہے جسے اُس نے حکمت سے نوازا ہو۔ علامہ اقبال نے اسے ”اسرارِ دین“ سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

اے کہ می نازی بہ قرآنِ حکیم
تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دین را فاش کن!
نکتہٴ شرعِ مبین را فاش کن!

تو حکمتِ دین کی تعلیم اور اس کا عام کیا جانا انقلابِ نبوی کے اساسی منہاج میں چوٹی کا معاملہ ہے۔ گویا یہ اس کا مرتبہ کمال اور نقطہٴ عروج ہے۔

فرد اور معاشرے میں انقلاب کا لائحہ عمل

اب آپ ان چاروں اصطلاحات کو ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن کے سامنے لائیے: (۱) يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ (۲) وَيُزَكِّيهِمْ (۳) وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ (۴) وَالْحِكْمَةَ — اور دیکھئے کہ انقلاب کے عمل میں ان کو بدرجہ کیسے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ کا کوئی عزیز، کوئی نوجوان ہے جو آپ کو محبوب ہے اور آپ پورے خلوص کے ساتھ چاہتے ہیں کہ وہ دین کی طرف آئے، یا یوں تعبیر کیجئے کہ اس میں دینی انقلاب برپا ہو جائے۔ اس کی کچھ عادات اور دلچسپیاں ایسی ہیں کہ جو آپ کی نظر میں کھٹکتی ہیں، اس کے صبح و شام کا رنگ کچھ بدل گیا ہے۔ آپ اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے فکر اور ذہن کا جائزہ لیجئے کہ کہیں اس کے ذہن میں کوئی ”برٹریڈ رسل“ تو نہیں ہے، وہاں کوئی ”ساخت“ اور اس کا فلسفہ موجودیت تو مسلط نہیں ہے، کہیں کسی ”فرائیڈ“ کے نظریات نے تو اس پر تسلط حاصل نہیں کر لیا، کہیں کسی اور کا نظریہ تو نہیں ہے کہ جو اس کے ذہن اور دل پر مستولی ہو گیا ہو۔ اگر آپ یہ تجزیہ نہیں کر سکتے اور اس کا مداوا نہیں کر سکتے، آیات قرآنیہ کے ذریعے سے اس کے دل میں نور نہیں کر سکتے، تو جان لیجئے کہ آپ کی وہ ساری خواہش دھری رہ جائے گی اور اس کے اندر کوئی تبدیلی برپا نہ ہو سکے گی۔ وہ اگر سعادت مند ہے تو آپ کے سامنے چپ ہو جائے گا، گردن جھکا دے گا۔ ہو سکتا ہے آپ کے دباؤ کے تحت، جہاں آپ کے سامنے ہو، نماز بھی پڑھ لے، لیکن اس کی فکر کچھ اور ہے، اس کی سوچ کچھ اور ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا

کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ!

اس کی فکر اور اس کی سوچ پر تو کچھ اور چیزوں کا تسلط ہو چکا ہے، جن میں کہیں نماز یا روزہ کی گنجائش ہی نہیں۔

ادامہ و نواہی اور حلال و حرام کی بنیاد یہ ہے کہ کوئی صاحب ایمان ہو، وہ وحی و رسالت اور کتاب کو ماننا ہو، اگر وہ بنیاد ہی موجود نہ ہو تو کیا حلال اور کیا حرام؟ اس کے ذہن میں کس چیز کے بارے میں فرض کا تصور قائم ہو گا اور کس چیز کو وہ ممنوع اور حرام سمجھے گا؟ یہ ساری چیزیں اس وقت تک بے بنیاد ہیں جب تک ایمان دل کے اندر پیدا نہ کیا جائے۔ یہی ایک واحد راہ عمل ہے کسی شخص کو بدلنے کی۔ اور یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اس سارے عمل کا مرکز و محور قرآن حکیم ہے۔ اگر ”تلاوت آیات“ کے ذریعے

اس میں ذہن و فکر کی تبدیلی آتی ہے تو اس کی بڑی عادتیں خود بخود بدل جائیں گی اور سب بڑی لتوں سے وہ خود بخود آزاد ہوتا چلا جائے گا اور اب آپ کو ایک ایک چیز کے لئے علیحدہ علیحدہ درو سرمول لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جب وہ جزیں کٹ جائیں گی جن سے ان عاداتِ فاسدہ کے پتوں کو فاسد غذا بہم پہنچ رہی تھی تو وہ خود بخود خشک ہو کر گر پڑیں گے۔ اب وہ وقت آئے گا کہ آپ اسے بتائیں کہ یہ ہے دین کا حکم، اور وہ اس پر عمل پیرا ہو جائے گا۔ اور یہ عمل مصنوعی نہیں ہو گا، بلکہ فطری ہو گا۔ اس کے بعد اگر اس میں استعداد ہے تو اسے مرتبہ حکمت تک پہنچائیے۔ یہاں پہنچ کر اس کی شخصیت کو دین کے بارے میں ٹھہراؤ، تمکن اور دوام حاصل ہو گا۔ اس کے کیا ہی کہنے ہیں! ظاہرات ہے کہ اس کا نام ہے۔ یہاں انسان گویا کہ اپنی بصیرت باطنی سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ حق یہی ہے۔ یہ اس کا ذاتی تجربہ بن جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ دین میں کیا مقدم ہے، کیا مؤخر ہے۔ کس چیز کی حیثیت جڑ کی ہے اور کس کی فرع کی۔ اب وہ اندھے کی طرح ٹانگ ٹوٹے نہیں مار رہا ہوتا، بلکہ وہ دین کی تمام اقدار کو ان کے صحیح مقام پر صحیح توازن و اعتدال کے ساتھ برقرار رکھتا ہے۔ یہ ہے مرتبہ حکمت، کہ جس کو عطا ہو گیا اسے خیر کثیر عطا ہو گئی۔

اب یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے تو یہ مضمون مکمل ہو جائے گا۔ جس طرح کا معاملہ ایک فردِ نوع بشر کا ہے بالکل اسی طرح ایک قوم یا اجتماعیت کے تحت زندگی بسر کرنے والے ایک مجموعہ افراد کا ہے۔ ایک ہیئتِ اجتماعیہ سے منسلک ہونے والے افراد بھی مجموعی طور پر ایک فرد (individual) ہی کی طرح کاروبار رکھتے ہیں۔ اور جس طرح ایک فرد کے وجود میں دماغ تو تہ فیصلہ کا حامل ہوتا ہے اور پورے وجود پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح ایک ہیئتِ اجتماعیہ میں ایک ”ذہن اقلیت“ اس پورے مجموعہ افراد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دماغ میں پکڑنے کی طاقت نہیں ہے، یہ طاقت ہاتھ میں ہے، لیکن پکڑنے کا حکم اسے دماغ سے ملتا ہے۔ ہاتھ کیا پکڑے اور کیا نہ پکڑے، اس کا فیصلہ بھی دماغ کرتا ہے۔ اسی طرح ماؤں چل سکتے ہیں، لیکن چلیں نہ چلیں، اور اگر چلیں تو کدھر جائیں کدھر نہ جائیں، اس کا فیصلہ دماغ کرے گا۔ نوع انسانی کے ایک فرد میں ہاتھ پاؤں

اور دیگر اعضاء و جوارح ہیں، لیکن ان سب کو دماغ کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ گویا کہ انہماں کے دو ڈھائی من کے وجود میں پاؤ ڈیڑھ پاؤ کے دماغ کو ایک حکمران کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اسی طریقے سے جان لیجئے کہ کسی قوم، کسی معاشرے، کسی سوسائٹی، کسی کمیونٹی یا کسی ہیئت اجتماعیہ میں جو ایک ذہین اقلیت (intellectual minority) یا intelligentsia ہوتی ہے، جسے آپ brain trust سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس پوری ہیئت اجتماعیہ کو کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ اس طبقہ کے لوگ اگرچہ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں، لیکن یہ لوگ اپنے معاشرے، اپنی قوم اور اپنے ملک میں بالکل اسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ جو اہمیت ایک فرد بشر میں اس کے اپنے دماغ کو حاصل ہے۔ یہ سوچتے ہیں کہ معاشرے اور قومیں ان کے ہیں۔ باقی عوام الناس اعضاء و جوارح کی مانند ہیں۔ جدھر یہ رخ کر لیں گے پورا معاشرہ اُدھر رخ کر لے گا، بالکل اسی طرح جیسے دماغ کے فیصلے کے تحت پاؤں چلتے اور ہاتھ حرکت کرتے ہیں۔

آپ کسی بھی معاشرے میں تبدیلی برپا کرنا چاہتے ہیں، کسی قوم یا ہیئت اجتماعیہ کو اسلام کے حق میں بدلنا چاہتے ہیں یا یوں کہئے کہ کسی جگہ پر بھی آپ اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے نبی اکرم ﷺ کے طریق انقلاب پر اساسی منہاج یہی ہو گا کہ پہلے اس ذہین اقلیت کو تبدیل کیجئے۔ اگر اس کو آپ اسلام کے حق میں convert کر لیں اور اس میں ایمان و یقین کی روشنی پیدا ہو جائے تو اس طرح اس حلقے اور طبقے میں ایک ایسا مضبوط نیوکلیس پیدا ہو جائے گا جس نے دین کی بنیادی اقدار کو علی وجہ البصیرت قبول کیا ہو گا، نہ کہ محض اعتقادی طور پر صرف ایک ”dogma“ کی حیثیت سے۔ چنانچہ اس ذہین اقلیت اور brain trust کے تبدیلی قبول کرنے سے مجموعی طور پر پورا معاشرہ تبدیلی قبول کر لے گا۔ ورنہ آپ عوام میں وعظ و نصیحت کرتے رہئے تو اگرچہ اس سے عوام الناس کے اندر ایک رجوع عام بھی ہو جائے، تبدیلی برپا نہیں ہوگی۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے اس چھوٹی سی مثال پر غور کر لیجئے کہ ہمارے ہاں کسی زمانے میں ترقی پسند اصولوں نے بعض اصطلاحات کا استعمال شروع کیا اور آج وہ اصطلاحات ہمارے معاشرے کے نچلے طبقات تک پہنچ گئی ہیں۔ ”استحصا“ جیسا بھاری

بھر کم لفظ آج کسی تانگے بان اور کسی ریڑھی چلانے والے کی زبان پر آپ کے سننے میں آئے گا، اس لئے کہ یہ عمل ان لوگوں سے چلا تھا جو اس ملک کے اندر غور و فکر کرنے والے اور سوچ بچار کرنے والے لوگ تھے۔ اس ”ذہین اقلیت“ نے ایک فلسفے کو قبول کیا تھا اور پھر وہ فلسفہ اس معاشرے کے اندر سرایت کرتا چلا گیا۔ آپ کسی پارٹی کو تو ban کر سکتے ہیں، لیکن فکر پر کوئی قد غنیں عائد نہیں کی جاسکتیں، فکر کے لئے کسی پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود بخود پھیلتا ہے اور کسی ملک یا کسی معاشرے میں اس کو قید و بند میں ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت کی دنیا میں جبکہ فاصلے معدوم ہو گئے ہیں آپ کسی ملک یا خطہ زمین کو محفوظ خطہ بنا کر نہیں رکھ سکتے کہ یہ فکر وہاں نہ آنے پائے۔ اصل معاملہ فکر ہی کا ہے۔ اگر فکر بدلے گا، سوچ بدلے گی، تو انسان بدلے گا۔ انسان کی انفرادی تبدیلی کے لئے بھی فکر کی تبدیلی لازمی ہے اور کسی معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کے لئے بھی فکر کی تبدیلی ناگزیر ہے۔ اسلامی انقلاب کے لئے فکری بنیاد بھی قرآن حکیم سے مہیا ہوتی ہے اور اس کا پورا اساسی منہاج بھی قرآن حکیم ہی پر مبنی ہے۔ ﴿يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود

جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

اس ضمن میں بعض لوگوں کو مغالطہ اور اشتباہ لاحق ہو سکتا ہے کہ کیا اتنا عظیم انقلاب اور اتنی بڑی تبدیلی صرف ایک کتاب کے بل پر پیدا ہو جائے گی؟ میں انہیں دعوت دوں گا کہ ذرا نگاہ دوڑائیے، اس وقت اشتراکی نظام روئے ارضی کے کتنے بڑے حصے پر قائم ہے۔ پورے مشرقی یورپ، پورے شمالی ایشیا، بلکہ چین سمیت ایشیا کے اکثر و بیشتر حصے کے علاوہ دنیا کے کئی دور دراز ممالک میں یہ جو نظام قائم ہے اس کا سراغ لگائیے کہ یہ کس کا نتیجہ ہے؟ یہ سب کارل مارکس کی کتاب داس کیپٹل (Das Capital) اور اس کے فلسفے کا اثر ہے کہ ذہنوں نے جس کو قبول کیا اور ان پر اس کی چھاپ قائم ہوئی۔ اور یہ انقلابات درحقیقت اسی کی بنیاد پر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے

”نیت پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب“

اس کی بغل میں ”کتاب“ تھی، اور یہ بات کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو، کوئی اسے غلط سمجھے یا صحیح، لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ سارے انقلابات درحقیقت اسی کتاب کا ایک ظہور اور اسی کتاب کا ایک بروز ہیں۔ تو ذرا سوچئے کہ ایک انسان کی کاوش، اس کی تصنیف کردہ ایک کتاب اگر دنیا میں اتنے وسیع و عریض پیمانے پر اتنے وسیع و عریض خطے میں انقلاب برپا کر سکتی ہے تو کیا کتاب اللہ دنیا میں انقلاب برپا نہیں کر سکتی؟ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کتاب کی طرف approach درست ہو، اس کتاب کو اس کا صحیح مقام دیا گیا ہو، اس کتاب سے واقفیت وہ کام لیا جائے کہ جس کے لئے وہ نازل کی گئی ہے، جس کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ جس کے ذریعے سے افراد بدلے، ان کے اندر انقلاب آیا اور پھر انہوں نے ساری انقلابی جدوجہد سے گزر کر انقلاب محمد ﷺ کی عملی تکمیل فرمادی۔

فَصَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ
وَأَخْرَجُوا عَنْهُمْ أَلْفًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

عظمت قرآن

بزبان قرآن و صاحب قرآن

مکتبہ مہر کزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶- کے لائل ٹاؤن لاہور، ۵۲۷۰۰- فون : ۵۸۶۹۵۰۱-۳